شریعتِ اسلامیہ کی وسعت وگنجائش میں فقہی اختلاف کا کردار انسانی اعضاء کے انتقال سے متعلق متخالف فتاوی کی روشنی میں مطالعہ

*صالحہ فاطمہ

**عاصم نعیم

Abstract

It is usually understood that disputation between Islamic jurists causes conflict, creates prejudice and ideological differences among different schools of thought resulting in enmity and hatred between their followers and promoting impracticality and unfruitful debates in Muslim society. These conceptions usually overlook the brighter part of such disputation which indicates the broadness, resourcefulness, versatility, and extensive functional quality of Islamic Shariah. The article thus encompasses an important contemporary debate on human organ donation in the light of contradictory verdicts which not only support Shariah point of view but also represent its capacity for the latest scientific medical treatments in extreme conditions which consequently reveal the diversity and elasticity providing an absolute practical framework by remaining into the boundaries of basic Islamic Laws and Shariah.

Keywords: Muslim Society, Islamic Shariah, Human Organ Donation

تعارف:

شریعت اسلامیہ کو آخری آسمانی والہامی شریعت ہونے کا شرف حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بنیادی مصادر میں ہر زمانے اور ہر طرح کے مسائل سے متعلق اُصولی نوعیت کے قوانین کا بیان ہے لیکن چونکہ ان اصولوں سے استنباطِ احکام کے اسالیب اور مناہج میں فرق آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اجتہاد اور اس کی جہات بھی مختلف ہو جاتی ہیں۔ دراصل یہی متخالف اور متفرق آراء ہیں جو شریعت اسلامیہ کی وسعت، سہولت اور گنجائش کے اظہار کے ساتھ ساتھ علوم و تحقیق میں بھی فروغ کا باعث ہیں۔ عصرِ حاضر میں طبِ جدید میں ترقی کے ساتھ فقہی مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے لیکن بہ حیثیت مسلمان اُمت مسلمہ کو جدید سہولیات سے استفادہ سے قبل شریعت کے نقطہ نظر سے آگاہ ہونا اشد ضروری ہے کیونکہ دین اسلام نہ ہی محض مذہبی رسومات کا مجموعہ ہے اور نہ ہی اس میں دین اور دنیاوی معاملات جدا ہیں بلکہ اُخروی اُمور سے جڑے ہوئے ہیں۔

*لیکچرر، اسلامک اسٹڈیز، شعبہ عمرانیات، کامسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور۔

**اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور۔

عصرِ حاضر میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری بھی ایک اہم فقہی مسئلہ ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جہاں ایک طرف ایک انسان کے ناکارہ عضو کو دوسرے انسان کے کارآمد اور تندرست عضو سے تبدیل کیا جاتا ہے (یعنی مذکورہ عمل میں ایک انسان کا صحیح سلامت عضو کسی دوسرے انسان میں منتقل کر دیا جاتا ہے) تو وہیں دوسری طرف اس مسئلہ میں انسانیت کی عدم تکریم کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ چونکہ شریعتِ اسلامیہ میں مخصوص مسئلہ سے متعلق کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں کوئی واضح حکم ارشاد نہیں فرمایا گیا لہذا اس ضمن میں عصرِ حاضر کے فقہاء اور ان کے اسالیب اجتہاد میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کا زیرِ مطالعہ تحقیق میں مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

انسانی اعضاء کے انتقال اور عطیہ کی تاریخ:

دنیا کی تاریخ میں انسانی اعضاء کی منتقلی کا پہلا کامیاب تجربہ ۱۹۵۴ء میں ہوا جب ڈاکٹر جوزف مری نے ایک انسان کے گردہ کو دوسرے انسان میں منتقل کیا جس کے نتیجہ میں وصول کنندہ ۱۸ سال زندہ رہا جبکہ ڈاکٹر جوزف کو میڈیکل کی دنیا میں حیرت انگیز کارنامہ انجام دینے پر اعلیٰ ترین اعزاز یعنی نوبل پرائز سے نوازا گیا[1]۔ لیکن دوسری جانب انسانی جگر کی منتقلی کے کامیاب تجربات کی جانب سفر کی رفتار قدرے سست رہی جس کی بنیادی وجہ مریض کی حالت کا دوسرے امراض کی نسبت زیادہ تشویش ناک ہونا تھا۔ اس ضمن میں پہلا تجربہ Denver میں کیا گیا جو کہ ناکام رہا لیکن کیمبرج ۱۹۶۸ء میں ہونے والا تجربہ کامیاب رہا جو کہ Dr. Calne نے انجام دیا، جبکہ انسانی دل کی کامیاب منتقل Dr. Christiaan Barnard نے ۱۹۶۷ء میں اور پھیپھڑوں کا کامیاب انتقالِ عضو کا تجربہ Dr Reitz اور ان کے ساتھیوں نے ۱۹۸۱ء میں انجام دیا[2]۔ ان کامیاب تجربات کے بعد ڈاکٹروں اور میڈیکل سے وابستہ لوگوں کی جانب سے اس بات پر زور دیا جانے لگا کہ بیمار انسانوں کی مدد کرنے کے لیے عام الناس کو چاہیے کہ ان اعضاء کو عطیہ کریں جن کے بغیر بھی وہ زندہ رہ سکتے ہیں اور مرنے کے بعد اس عمل کی وصیت بھی کی جائے تاکہ ان کے مرنے کے بعد عطیہ کردہ عضو کسی ضرورت مند بیمار انسان میں منتقل کیا جائے۔

اعضاء سے انتفاع کی صورتیں:

اعضاء سے انتفاع خواہ وہ انسانی ہو، حیوانی یا مصنوعی، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ پلاسٹک یا دھات سے تیار شدہ مصنوعی عضو کا استعمال۔

۲۔ حیوانات کے انسانوں سے مماثل اعضاء سے استفادہ۔

۳۔ مریض کے اپنے جسم کی کھال یا گوشت کا استعمال۔

۴۔ کسی زندہ آدمی کا بطور عطیہ دیا ہوا یا خریدا ہوا عضو استعمال کرنا۔

۵۔ مردہ انسان کے جسم سے حاصل شدہ کارآمد عضو کا استعمال۔[3]

انتقالِ اعضاء کی اقسام:

جانداروں سے اعضاء کی منتقلی کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ ایلوٹرانسپلانٹ(Allo-Transplant):ایک طرح کے جانور یعنی بندر سے بندر میں اعضاء کا انتقال۔

۲۔ ھیٹروٹرانسپلانٹ(Hetero-Transplant):انسان کے اعضاء کا انسان میں انتقال۔

۳۔ زینوٹرانسپلانٹ(Xeno-Transplant): کسی جانور کا عضو انسان میں لگا دینا۔

۴۔ آٹوٹرانسپلانٹ(Auto-Transplant):ایک شخص کا عضو اسی شخص کے جسم میں لگا دینا۔[4]

انسانی عضو کے انتقال کی صورتیں

انسانی اعضاء کے انتقال کی مندرجہ ذیل تین صورتیں ہیں:

1. **کسی زندہ انسان کے عضو کو منتقل کرنا:**

اس کی دو صورتیں ہیں:

i. کسی انسان کے ایک عضو کو لے کر اسی انسان کے جسم کے کسی دوسرے حصے میں پیوندکاری کر دی جائے مثلاً کھال، پٹھوں، ہڈیوں، وریدوں اور خون وغیرہ کی جسم کے ایک حصہ سے دوسرے حصے کو منتقلی اور اس کی پیوندکاری۔

ii. کسی زندہ انسان کے عضو کی دوسرے انسان کے جسم میں منتقلی۔اس صورت میں عضو کی دو میں سے کوئی ایک حیثیت ہو سکتی ہے یا تو اس پر زندگی کا دارومدار ہوگا یا اس پر زندگی کا انحصار نہیں ہوگا۔اگر اس پر زندگی کا انحصار ہے تو وہ تنہا یا جوڑا کی صورت میں ہوگا۔تنہا کی مثال قلب اور جگر اور جوڑے کی مثال گردہ اور پھیپھڑے ہیں۔اگر اس پر زندگی کا انحصار نہ ہو تو وہ جسم کا کوئی بنیادی کام انجام دیتا ہوگا جیسے خون یا نسب و وراثت اور عمومی شخصیت پر اس سے اثر پڑتا ہوگا، مثلاً بیضہ دانی اور اعصابی نظام کے خلیے، یا اس کا ان میں سے کسی بھی چیز پر اثر نہیں ہوگا۔

2. **کسی مردہ انسان کے عضو کو منتقل کرنا:**

موت کی مندرجہ ذیل دو حالتیں ہوتی ہیں:

i. دماغی موت یعنی دماغ کے سارے وظائف یکسر بند ہو جائیں اور طبّی لحاظ سے ان کی واپسی ممکن نہ ہو۔

ii. قلب اور تنفس مکمل طور پر اس طرح سے رک جائیں کہ ان کا دوبارہ بحال ہونا ممکن نہ ہو۔

ایسا انسان جس کی مندرجہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں انتقال ہو جائے تو اس کے اعضاء نکال کر منتقل کرنا یا عطیہ کر دینا درست تصور ہوگا۔

3. جنین کے عضو کو منتقل کرنا:

جنین سے استفادہ تین حالتوں میں ہو سکتا ہے:

i. ایسے جنین جو خود بخود ساخت ہو گئے ہوں۔

ii. ایسے جنین جو کسی مذہبی، معاشرتی یا طبّی مسئلہ کی بنا پر ساخت ہو گئے ہوں۔

iii. بیضہ دانی سے باہر بار آور شدہ نطفے۔[5]

(زیرِ مطالعہ تحقیق Hetero Transplant کی اس قسم سے متعلق ہے جب کسی مردہ انسان کے اعضاء کو کسی دوسرے انسان میں منتقل کیا جاتا ہے۔)

انسانی اعضاء کے انتقال کے قائلین کے دلائل:

عصرِ حاضر کے جو علماء و فقہاء انسانی اعضاء کے دوسرے انسان میں انتقال کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے شرعی نصوص یعنی آیاتِ کریمہ اور احادیث مبارکہ کو اپنے اجتہاد کی بنیاد بنایا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قیاس، شریعت کا نظریہ مصلحت اور انسانی ہمدردی پر مبنی عقلی دلائل کا بھی حوالہ دیا ہے جو کہ اپنی جگہ قابلِ غور اور مدلل معلوم ہوتے ہے؛ اس ضمن میں جو دلائل دیے گئے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

شدید حالات میں جسدِ انسانی کی قطع و برید سے جواز:

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے قائلین کے مطابق اگرچہ انتقالِ اعضاء کا حکم صراحتاً کتاب اللہ میں مذکور و سنتِ رسول ﷺ سے ثابت شدہ نہیں ہے لیکن فقہ اسلامی سے بعض ایسے نظائر دستیاب ہوتے ہیں جب تحفظِ جان یا تحفظِ مال کی خاطر انسانی جسم کی قطع و برید کی اجازت دی گئی ہے جنہیں بنیاد بنا کر انسانی پیوند کاری کے جواز کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے مثلاً:

1. فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المغنی میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص کنویں میں گر کر مر جائے اور لوگوں کو اس کنویں کے پانی کی ضرورت ہو تو لوہے کے کانٹے یا سلاخوں کے ذریعے، (جس سے لعش کے پھٹ جانے کا امکان بھی ہو)، اسے نکالا جا سکتا ہے۔۔۔ زندہ کی حرمت اور اس کی جان بچانے کی مصلحت میت کو مثلہ ہونے سے بچانے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے کیونکہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا خدا کے نزدیک ایک مسلم کے قتل سے زیادہ ہونا ہے۔ نیز اگر کوئی مسلمان شخص دوسرے کا مال نگل کر مر جائے تو زندہ آدمی کے محض مال کی حفاظت کی خاطر اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا تو جان کی حفاظت تو مال کی حفاظت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ضروری ہے۔[6]

2. شافعی فقیہ و محدث امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دوسرے کا ہیرا نگل لیا اور ہیرے کا مالک اس کا مطالبہ کرے تو مرنے کے بعد اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا اور مالک کو اس کا ہیرا لوٹا دیا جائے گا، لیکن ہیرا اگر خود مرنے والے کا ہو تو اس صورت میں دو قول ہیں، ایک یہ ہے کہ اس صورت میں بھی پیٹ چاک کر کے اس کو نکال لیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ چاک

نہیں کیا جائے گا۔۔۔اگر کوئی عورت مر جائے اور اس کے رحم میں زندہ بچہ ہو تو (بچہ کو نکالنے کے لیے) اس کا پیٹ چاک کیا جائے گا کیونکہ اس میں میت کی لاش میں ذرا سے تصرف سے ذی روح کی زندگی بچانی ہے تو یہ ایسا ہی ہو گا کہ کوئی شخص اپنی جان بچانے کے لیے میت کے جسم کا کچھ حصہ کھانے پر مجبور ہو جائے۔[7]

3. **فقہ مالکی** کی مشہور کتاب شرح مختصر خلیل میں بھی اس کے مشابہ مسئلہ مذکور ہے، شرح کے الفاظ ہیں: "میت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہو گا اگر شرعی طور پر پیٹ میں مال کا ہونا شاہد یا یمین کے ذریعے ثابت ہو جائے گا۔"[8]

4. حنفی فقیہ علامہ ابنِ عابدین فرماتے ہیں: اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے اور اس کا بچہ پیٹ میں زندہ ہو تو پیٹ چاک کر کے اس کا بچہ نکال لیا جائے گا لیکن اگر کسی نے کسی دوسرے کا مال نگل لیا ہو اور اس کی موت ہو جائے تو کیا اس کا پیٹ بھی چاک کیا جائے گا؟ (تاکہ مال برآمد ہو سکے) اس کے بارے میں فقہاء کے دو اقوال ہیں اور ان میں بہتر قول یہی ہے کہ ہاں اس صورت میں بھی پیٹ چاک کیا جائے گا۔[9]

غیر اضطراری حالت میں حرام اشیاء کے استعمال کی اجازت:

فقہاء کے مطابق اگر غیر اضطراری حالت میں بھی تکلیف کی نوعیت شدید ہو تو حرام اشیاء کا استعمال جائز ہو جاتا ہے۔ قائلین فقہاء نے اس معاملے میں واقعہ اہلِ عرینہ اور حضرت عرفجہ بن اسعدؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جن میں اگرچہ اضطرار، تکلیف اور مرض کی نوعیت شدید نہ تھیں لیکن پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے انہیں حرام اشیاء سے استفادہ کی اجازت مرحمت فرمائی (جو کہ اب شریعتِ اسلامیہ کا حصہ ہے) کہ جب یہ لوگ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اونٹ کا دودھ اور بول استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمَ أَعْرَابٌ مِنْ عُرَيْنَةَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْلَمُوا فَاجْتَوَوْا الْمَدِينَةَ حَتَّى اصْفَرَّتْ أَلْوَانُهُمْ وَعَظُمَتْ بُطُونُهُمْ فَبَعَثَ بِهِمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِلَى لِقَاحٍ لَهُ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا حَتَّى صَحُّوا۔[10]

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ چند لوگ قبیلہ عرینہ کے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان لوگوں کو مدینہ منورہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ ان کے (چہروں کے رنگ) پیلے پڑ گئے اور ان کے پیٹ اوپر کو چڑھ گئے رسول کریم ﷺ نے ان لوگوں کو دودھ دینے والی اونٹنی دے کر حکم فرمایا کہ تم لوگ اس اونٹنی کا دودھ اور پیشاب (بطور علاج) پی لو۔ ان لوگوں نے اسی طریقہ سے کیا حتیٰ کہ وہ لوگ شفا پا گئے۔"

نیز عرفجہ بن اسعدؓ صحابی کا کوفہ اور بصرہ کے درمیان ہونے والی جنگ کلاب میں ناک شہید ہو گیا تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگالی مگر جب اس میں بدبو پیدا ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں سونے کی ناک بنوا کر لگوانے کا حکم دیا کیونکہ سونا سڑتا نہیں ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ طَرَفَةَ أَنَّ جَدَّهُ عَرْفَجَةَ بْنَ أَسْعَدَ قُطِعَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ وَرِقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيْهِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَبٍ-[11]

حضرت عبدالرحمن بن طرفہؓ فرماتے ہیں کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ بن اسعدؓ کی کلاب (کی جنگ) کے دن ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوالی تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی حضور اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا تو انہوں نے سونے کی ناک بنوالی۔

واقعہ اہلِ عرینہ اور حضرت عرفجہؓ کے واقعہ میں سونے کی ناک لگانے کی اجازت دینے سے یہ بات ظاہر ہے کہ غیر اضطراری حالت میں بھی جب تکلیف زیادہ ہو تو شریعت میں بعض ناجائز چیزوں کے استعمال کی گنجائش رکھی گئی ہے جبکہ اس کے علاوہ علاج کی کوئی اور صورت نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ کسی معتمد علیہ طبیب یا ڈاکٹر کے قول سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ ناجائز دوا ہی اس بیماری کا علاج ہے اور کوئی جائز دوا اس کا بدل نہیں ہو سکتی اور اس دوا کا اس بیماری کے ازالہ میں مؤثر و مفید ہونا بھی فنی طور پر یقینی ہو۔[12]

حالتِ اضطرار میں شرائط کا التواء:

گذشتہ موضوع میں فقہاء نے حالتِ اضطرار کے تعین کا حق مسلم طبیب کو دیا ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حالتِ اضطرار میں اس شرط کو بھی موقوف قرار دیا ہے اور انسانی تکلیف کو طبیب کی رائے، شہادت یا رضامندی پر ترجیح دی ہے موصوف کے مطابق ''چونکہ عصرِ حاضر میں غیر مسلم ڈاکٹر ہی میسر آتے ہیں اس لیے اصولاً ان کی آراء پر بھی اعتماد کرنا چاہیے کیونکہ یہاں مسئلہ شہادت کا نہیں اس میں صرف حذاقت و عدالت ہی کافی ہے، نیز اضطرار کے موقع پر یہ شرط عجیب سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس وقت تو طبیب کی شرط بھی ختم کر دی جاتی کیونکہ ضرورت میں متاخرین فقہاء نے تداوی بغیر الطبیب کی اجازت دی ہے۔''[13]

خون بطور اصلِ قیاس:

ماسوائے چند فقہاء کے باقی فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ ضرورت کے وقت انسانی خون کی منتقلی اور عطیہ شرعی نقطہ نظر سے جائز ہے جبکہ معلوم ہے کہ خون بھی انسانی جسم کا حصہ ہے لہذا اگر اس کا انتقال و عطیہ جائز ہے تو پھر یہی معاملہ اعضاء کے بارے میں کیوں حرام ہے؟ جبکہ عملِ جراحی میں اس بات کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ عطیہ کنندہ کو غیر ضروری یا ناقابلِ تلافی ظاہری یا اندرونی جسمانی نقصانات یا تکالیف کا سامنا نہ کرنا پڑے بالکل اسی طرح جب کہ کسی زندہ مریض کی طبّی بنیادوں یا مرض کی بنیاد پر جراحی کی جاتی ہے۔ مذکورہ قیاس کی تفہیم درج ذیل جدول کی صورت میں بھی کی جا سکتی ہے:

اصل	فرع	علت	حکم
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ	خون	حالتِ اضطرار	جائز
ایضاً	عضو کی پیوند کاری	ایضاً	ایضاً

شریعتِ اسلامیہ کا نظریہ مصلحت:

شریعت اسلامیہ کے نظریہ مصلحت کو بنیاد بناتے ہوئے، موجودہ دور میں عملِ جراحی میں غیر معمولی ترقی ہو جانے کے بعد اور انسانی اعضاء کی منتقلی کی افادیت تقریباً یقینی ہو جانے کی وجہ سے فقہاء اسے جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ بہر حال یہ بہتر ہے کہ کسی مردہ نعش کے آنکھ، دل، پھیپھڑے، گردے وغیرہ کو کسی ایسے آدمی کا جزِبدن بنا دیا جائے جو ان کے بغیر اپنی زندگی برقرار نہیں رکھ سکتا، بجائے اس کے کہ وہ مٹی میں مل جائیں اور گل سڑ جائیں کیونکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ جائز ہے کہ جب بھی مصلحت اور مضرت کے مابین ٹکراؤ ہو اور مصلحت کا پہلو غالب نظر آئے تو اسے ہی ترجیح دی جائے گی سوائے اس کے کہ کسی چیز یا عمل کی حرمت صراحتاً کتاب اللہ یا سنتِ رسول ﷺ میں مذکور ہو۔ لہٰذا انتقالِ اعضاء کی خاطر اگر میت کے ورثا کی اجازت سے جسم کا کوئی کارآمد حصہ نکال لیا جائے تو مصلحت و ضرورت کی بنیاد پر یہ جائز ہو گا۔ اسی طرح حادثہ وغیرہ کا شکار ہو جانے والے غیر معلوم اشخاص اور خاص طور پر غیر معلوم لاش سے کارآمد اعضاء علیحدہ کر لینا تاکہ کسی کی جان بچائی جا سکے، از روئے شرع جائز ہو گا کیونکہ یہ سراسر مصلحت پر مبنی ہے جبکہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں صراحتاً حرمت بھی مذکور نہیں ہے۔[14]

تحفظِ جان:

فقہ اسلامی کے ان قواعد کلیہ کے مطابق جو براہِ راست قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں اس اَمر کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ شدید ضرورت و حاجت میں حرام اشیاء کا استعمال مباح ہو جاتا ہے جیسا کہ امام محمد بن ادریس الشافعی نے فرمایا ہے کہ اگر ایک انسان بھوک سے مر رہا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ دوسرے انسان کا گوشت کھا لے۔[15] کیونکہ تحفظِ جان مصالح خمسہ کے ضمن میں آتا ہے جن کی حفاظت کے لیے بہت سی شرعی پابندیاں اُٹھا دی جاتی ہیں، قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ[16]

"یہی حرام کیا ہے تم پر مردہ اور لہو اور گوشت سؤر کا، اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کا۔ پھر جو کوئی پھنسا ہو، نہ بے حکمی کرتا ہے نہ زیادتی، تو اس پر نہیں گناہ۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

یہاں تک کہ شریعت میں شدید مجبوری کی حالت اور تحفظِ جان کی خاطر واحد نا قابل معافی گناہ یعنی کلمہ کفر کی ادائیگی بھی گوارا ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ[17]

"جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس سے مؤاخذہ نہ ہو گا)۔"

مندرجہ بالا نصوص سے یہ قاعدہ کلیہ اخذ ہوتا ہے کہ: الضرورت مباح الحرام [18]

فقہ اسلامی میں متعدد ایسی دفعات اور امثال موجود ہیں جب ایک انسانی جان کے تحفظ کے لیے مذکورہ پابندی اُٹھادی جاتی ہے مثلاً تھافة الفقهاء میں تحریر ہے: اگر کوئی حاملہ عورت مر جائے لیکن اس کے رحم میں جنین زندہ ہو تو عورت کے پیٹ کو چاک کر دیا جائے گا تا کہ بچے کو باہر نکال کر اس کی جان بچائی جا سکے، لہٰذا انسانی جسد کے تقدس (کے قانون) کو بالائے تاک رکھا جائے گا۔[19] مذکورہ قانون درج ذیل قواعدِ کلیہ سے ماخوذ ہے:

إِذَا تَعَارَضَ مَفْسَدَتَانِ رُوعِيَ أَعْظَمُهُمَا ضَرَرًا بِارْتِكَابِ أَخَفِّهِمَا[20]

"اگر کسی کا سامنا دو گناہوں سے ہو تو ان دونوں میں سے جو کم ہو اس کا انتخاب کیا جائے۔"

چنانچہ شدید ضرورت و اضطرار کی حالت میں حرام، ناجائز اور پلید اشیاء کا استعمال بھی مباح ہو جاتا ہے اور اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ایک انسان جس کی زندگی شدید خطرے میں ہو اور عضو کی منتقلی سے اس کی جان کا تحفظ ممکن ہو تو اس صورت میں مذکورہ عمل بالکل جائز ہے۔

جسدِ انسانی کے تقدس کے مختلف معیارات:

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں جسدِ انسانی کو بہت زیادہ تقدس اور عزت حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انسان خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ انسان ہونے کے ناطے عزت و تکریم اس کا بنیادی حق ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدید طبّی طریقہ ہائے جراحی اس تقدیس میں کمی کا باعث بنتے ہیں؟ کیونکہ شریعت ہمیں حکم دیتی ہے کہ انسانی جسم کی عزت کا لحاظ رکھا جائے لیکن اس ضمن میں ہمیں کوئی مخصوص طریقہ یا کوئی طے شدہ لائحہ عمل نہیں بتایا گیا، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی بے حرمتی کے طریقے حالات تہذیب، زمانہ، مقام، اور وقت کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس بنا پر بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں اعضاء کی پیوند کاری کے طریقوں کو عملِ مثلہ پر ہر گز قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مقدم الذکر میں مذکورہ عمل انتہائی باعزت اور انسانیت کے شایانِ شان طریقہ سے انجام دیا جاتا ہے اور اسے کسی صورت بھی حرمتِ انسانی سے متصادم خیال نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید فقہاء نے اعضاء کی منتقلی کے تمام طریقوں کو معیاری اور قابل قبول سمجھا ہے۔[21]

انسان کا اپنے جسم پر اختیار:

اگرچہ انسان کو کلی طور پر اپنے جسم پر اختیار نہیں دیا گیا لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جب اس کا استعمال انسان کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے اور شریعت اسے اس امر کی اجازت بھی دیتی ہے۔ اس اجازت کو دولت پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ یہ نعمتِ خداوندی ہے لیکن اس کے استعمال کے جائز طریقے انسان کو بتا دیے گئے ہیں یہاں تک کہ وہ تحفے کی صورت میں اسے کسی دوسرے کی ملکیت میں بھی دے سکتا ہے۔ اگر کوئی انسان ڈوب رہا ہو یا وہ آگ کی لپیٹ میں آ جائے تو اس کو بچانے کے لیے خود

کو خطرے میں ڈالنے کی پوری اجازت ہے۔[22] اسی طرح کسی نفس کو بچانے کے لیے اپنا عضو اسے تفویض کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

عطیہ وانتقالِ اعضاء کی مشروط اجازت:

جن فقہاء نے شرعی نصوص سے اعضاء کی منتقلی اور ان کے عطیہ کیے جانے کے جائز ہونے پر استدلال کیا ہے انہوں نے اس کی مشروط اجازت دی ہے نہ کہ کلی، اس عمل کے دوران جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عضو دینے سے عطیہ کنندہ کی روزمرّہ زندگی کو نقصان پہنچانے والا ضرر لاحق نہ ہو کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ کسی نقصان کے ازالہ کے لیے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارا نہیں کیا جائے گا چونکہ اس صورت میں عضو کی پیش کش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا جو شرعاً ناجائز ہے۔

۲۔ رضاکار نے عضو اپنی خواہش اور بغیر کسی دباؤ کے دیا ہو۔

۳۔ مریض کے علاج کے لیے عضو کی پیوندکاری ہی طبّی نقطہ نظر سے ممکن علاج رہ گیا ہو۔

۴۔ عضو لینے اور عضو دینے کے عمل کی کامیابی غالباً یا عادتاً یقینی ہو۔

۵۔ کسی مردہ انسان کا عضو دوسرے ضرورت مند انسان کے تحفظ کے لیے حاصل کیا جائے، بشرطیکہ جس کا عضو لیا جارہا ہے وہ مکلف ہو اور اپنی زندگی میں اس کی اجازت دے چکا ہو۔

۶۔ کسی مطلقاً ماکول اللحم اور ذبح شدہ جانور یا بوقتِ ضرورت دوسرے جانور کے عضو کو کسی ضرورت مند انسان میں پیوندکاری کے لیے ترجیح دی جائے۔

۷۔ معدنی یا کسی اور دھات کے مصنوعی ٹکڑے کو کسی مرض کے علاج کے لیے انسان کے جسم میں لگایا جائے جیسے جوڑوں اور قلب کے والو وغیرہ کے لیے استعمال کیا جائے۔[23]

۸۔ ایسا عضو جو کسی مرض کی وجہ سے جسم سے نکال دیا گیا ہو اس کے کسی حصے سے استفادہ دوسرے شخص کے لیے جائز ہے مثلاً اگر کسی مرض کی وجہ سے آنکھ نکال دی گئی ہو تو اس آنکھ کی پتلی (Cornea) سے استفادہ جائز ہے۔

۹۔ عضو کی منتقلی کی اجازت تب دی جائے گی جب میت نے اپنی موت سے پہلے یا اس کی موت کے بعد اس کے ورثہ نے، اور اگر میت کی شناخت نہ ہو یا لاوارث ہو تو مسلمانوں کے سربراہ نے اس کی اجازت دی ہو۔

۱۰۔ جن صورتوں میں اعضاء کی منتقلی کے جواز پر اتفاق ہوا ہے وہ اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ ان اعضاء کا حصول خرید و فروخت کے بغیر ہوا ہو کیونکہ کسی بھی حال میں اعضاء انسانی کی خرید و فروخت جائز نہیں۔[24]

انسانی اعضاء کے انتقال کے عدم قائلین کے دلائل:

علماء وفقہاء جنہوں نے انسانی اعضاء کی پیوند کاری کو شریعتِ اسلامیہ کے عمومی نقطہ نظر سے متخالف قرار دیا ہے انہوں نے کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور فقہ اسلامی کی متعلقہ مباحث سے ایسے نکات اخذ کیے ہیں جو ان کے موقف کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں؛ اس ضمن میں انہوں نے دو طرح کے دلائل دیے ہیں: ۱۔ نقلی دلائل ۲۔ عقلی دلائل

عدم قائلین کے نقلی دلائل:

مذکورہ بحث سے متعلق عدم قائلین کے نقلی دلائل ذیل میں دیے جاتے ہیں:

انسانی اعضاء کی پیوند کاری شرفِ انسانیت سے متصادم نظریہ:

اعضاء کی پیوند کاری کے عدم قائلین کے مطابق ایسا کرنا شرفِ انسانیت کے خلاف ہے، اور اپنے موقف کی دلیل میں وہ مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ[25]

''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا۔''

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ[26]

''وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے پھر وہ متوجہ ہوا آسمانوں کی طرف اور انہیں ٹھیک ٹھیک سات آسمانوں کی شکل میں بنا دیا اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا[27]

''بلاشبہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا کی اور بحر و بر میں انھیں سواری مہیا کی، کھانے کو پاکیزہ چیزیں دیں اور جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے ان میں سے کثیر مخلوق پر نمایاں فوقیت دی۔''

اس آیتِ مبارکہ میں انسانوں کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی دیگر تخلیقات مثلاً چرند، پرند، نباتات، درخت اور پودوں وغیرہ سے ہر جائز طریقے سے استفادہ کر سکتے ہیں لیکن انسانوں کو بھی اس فہرست میں شامل کر لینا اور دیگر مخلوقات پر ہی قیاس کرتے ہوئے اس کے اعضاء سے انتفاع کو شرعی نقطہ نظر سے حلال خیال کر لینا کسی طور پر بھی ایسا استدلال نہیں جسے مضبوط بنیادوں پر استوار خیال کیا جائے۔ انسان اپنی بقاء کے لیے حیوانات، نباتات اور جمادات کو ہر طرح سے مثلاً کاٹ پیٹ کر، کوٹ پیس کر اور ملا جلا کر استعمال کر سکتا ہے، مگر کسی زندہ یا مردہ انسان کے عضو یا جزء کو اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتا' چاہے دوسرا انسان رضامند ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ شرعیہ کا یہ طے شدہ اُصول ہے کہ کہ انسانی جسم کے اعضاء (خواہ وہ کسی

مسلمان کے ہوں یا غیر مسلم کے)ان کی حرمت مسلمہ ہے لہٰذا اس ضمن میں کسی بھی قسم کی دخل اندازی یا بے حرمتی حرام اور شرعی طور پر ناجائز ہے۔[28]

مردہ انسان کے تقدس کا تقاضا:

دینِ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے ابنِ آدم کو اس شرف، عزت اور منزلت سے نوازا جس کا وہ حق دار تھا۔اسلام میں انسانی زندگی کو گناہ نہیں بلکہ شرفِ نیابت کا مستحق قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ نہ صرف زندہ بلکہ مردہ حالت میں بھی ایک انسان (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم) عزت و تکریم کا حق رکھتا ہے کیونکہ اسلام نے یہ حق انسانیت کو عنایت فرمایا ہے چنانچہ ایک مردہ انسان کا وقار بھی اسی صورت بحال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح زندہ انسان کا۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِﷺ قَالَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا[29]

''رسول اللہﷺ نے فرمایا: مردہ انسان کی ہڈی توڑنا (ایسا ہی گناہ ہے) جیسا کہ زندہ انسان کی ہڈی توڑنے میں ہے۔''

ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قوله ككسره حيا يعنى فى الاثم كما فى رواية قال الطيبى: اشارة الى انه لا يهان ميتاً كما لا يهان حياً، قال ابن ملك الىٰ ان الميت يتألم وقال ابن حجرومن لازمه انه يستلذ بما يستلذبه الحى ---- وعن ابن مسعود قال: اذى المؤمن فى موته كاذايه فى حياته۔[30]

نبی کریمﷺ کے فرمان ککسرہ کا مطلب یہ ہے کہ زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا جس طرح معصیت ہے اسی طرح مردہ کی ہڈی کو توڑنا بھی معصیت ہے،(یعنی حکم میں دونوں برابر ہیں۔)طیبی نے کہا کہ حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زندہ انسان کے اعضاء کو نقصان پہنچا کر اس کی توہین و تذلیل نہیں کی جائے گی،اسی طرح مردہ انسان کی قطع و برید کر کے اس کی توہین و تذلیل نہیں کی جائے گی۔ابن الملک نے کہا کہ: جس طرح زندہ انسان کو ایذا دینے اور قطع و برید سے اس کو تکلیف ہوتی ہے،اسی طرح مردہ کو بھی ہوتی ہے۔ابن حجر نے کہا کہ :اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ انسان زندگی میں جس چیز سے لذت حاصل کرتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے،اسی طرح مرنے کے بعد بھی اسی چیز سے لذت حاصل کرتا ہے اور محظوظ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے،آپؓ نے فرمایا''مردے کو موت کے بعد تکلیف دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی زندگی میں اس کو تکلیف دینا۔''

امام طحاویؒ مشکل الآثار میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وحاصله ان عظم الميت له حرمة مثل حرمة عظم الحى۔[31]

خلاصہ یہ ہے کہ ایک مردہ انسان کی ہڈی کی بھی حرمت اور تقدس ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک زندہ شخص کی ہڈی کا۔

مرنے کے بعد بھی انسان محترم و مکرم ہے،عزت واحترام کے ساتھ اسے نہلانا' کفنانا، گہری قبر کھودنا اس کے ستر کی طرف نہ دیکھنا، عیوب نہ گنوانا اور قبروں پر نہ بیٹھنا اسی احترام کے پیش نظر ہے۔بعض صورتوں میں مسلمان میت کا احترام زندوں

سے بھی زیادہ ہے اور اگر میت مسلمان عورت کی ہو تو اس کے ستر کا حکم زندگی سے بھی زیادہ سخت ہے' یہی وجہ ہے کہ اب اس کا شوہر بھی اس کے ننگے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، احترام میت یہاں تک ہے کہ میدان جنگ میں کافر کی لاش بھی مثلہ نہیں کی جاسکتی، اور اگر یہودی کی ہڈیاں بھی قبرستان میں مل جائیں تو انسانیت کی بناپر اس کی ہڈیوں کا احترام بھی مسلمان میت کی ہڈیوں کی طرح ہے۔ جیسا کہ السیر الکبیر میں درج ہے:

والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته[32]

''آدمی مرنے کے بعد بھی اسی طرح قابل احترام ہے جیسا کہ مرنے سے پہلے تھا۔''

انسانی جسد کو کاٹنا یا اسے غضب کا نشانہ بنانا شریعتِ اسلامیہ میں قطعاً ممنوع ہے اور اصطلاحاً اس عمل کو "مثلہ" کہا جاتا ہے جس کی متعدد احادیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے؛ قتادہؓ سے روایت ہے:

كَانَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ يَحُثُّنَا عَلَى الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنْ الْمُثْلَةِ[33]

نبی کریم ﷺ صدقہ دینے کی تلقین اور مثلہ کی ممانعت فرماتے تھے۔

مثلہ کی ممانعت قرآن مجید سے بھی ثابت ہوتی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا [34]

''اور یقیناً میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا اور یقیناً میں انھیں ضرور آرزوئیں دلاؤں گا اور یقیناً میں انھیں ضرور حکم دوں گا تو یقیناً وہ ضرور چوپاؤں کے کان کاٹیں گے اور یقیناً میں انھیں ضرور حکم دوں گا تو یقیناً وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت بدلیں گے اور جو کوئی شیطان کو اللہ کے سوا دوست بنائے تو یقیناً اس نے خسارہ اٹھایا، واضح خسارہ۔''

اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے اللہ رب العزت کی تخلیق کا بگاڑ خواہ وہ جسمانی ہو یا روحانی شیطانی عمل ہے۔

انسانی بالوں کی حُرمت سے استدلال:

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے عدم قائلین نے اپنے موقف کی تائید کے لیے انسانی بالوں سے انتفاع کی حرمت سے استدلال کیا ہے کیونکہ ان کے مطابق بال جو کہ جسم کا بیرونی حصہ ہیں، جن کے کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی اور نہ ہی شدید نقصان کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ دوبارہ بھی اُگ سکتے ہیں لیکن پھر بھی تکریم انسانی کی وجہ سے ان سے انتفاع کو حرام ٹھہرایا گیا ہے تو پھر انسان کے اندرونی اعضاء کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کے کاٹنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے، شدید نقصان کا اندیشہ بھی ہے کیونکہ یہ دوبارہ اُگ نہیں سکتے ہیں اس ضمن میں حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت کردہ حدیث مشعلِ راہ ثابت ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ[35]

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے لعنت فرمائی مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی اور گودنے والی اور گدوانے والی پر۔''

یعنی وہ عورت جو اپنے بال دیتی ہے اور وہ عورت جو ان بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔

اس حدیث کی تشریح بیان کرتے ہوئے علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

''اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ بالوں کا استعمال یا ان سے انتفاع، خواہ وہ مسلمان مرد کے ہوں یا عورت کے، بنی نوع انسان کے تقدس کے تحت حرام ہے چنانچہ چاہیے کہ انسان کو اس کے بالوں اور تمام اعضاء سمیت دفن کر دیا جائے۔''[36]

انسانی جان کے تقدس کے بارے میں امام مرغینانی فرماتے ہیں:

''کسی بھی انسان کے بالوں کو فروخت کرنا یا ان سے انتفاع حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ انسانوں کو عزت اور تقدس بخشا گیا ہے لہذا ان کے کسی بھی حصے کی بے حرمتی جائز نہیں ہے۔''[37]

انسانی گوشت کی حُرمت سے استدلال:

سورۃ المائدہ میں ارشادِ ربانی ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ[38]

''تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

سورۃ المائدہ آیت ۳ کی رُو سے شدید مجبوری کے عالم میں جب انسانی جان کو بچانا مقصود ہو تو حرام ماکولات و مشروبات کا بقدرِ ضرورت استعمال بھی جائز ہے جو کہ ایک اہم قاعدہ کلیہ بھی ہے، لیکن اس شدید حالت میں بھی انسانی گوشت کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ فتاویٰ الھندیہ میں تحریر ہے:

مضطر لم یجد میتة وخاف الھلاک فقال له رجل: اقطع یدی وکلھا او قال اقطع منی قطعة فکلھا' لا یسعه ان یفعل ذلک' ولا یصح امره به کما لا یصح للمضطر ان یقطع قطعة من لحم نفسه فیاکل۔[39]

''بھوک سے نڈھال آدمی اگر کوئی مردار جانور بھی کھانے کو نہ پائے اور اسے موت کا خوف ہو، ایسی حالت میں ایک شخص اسے کہے کہ: ''میرا ہاتھ کاٹ لو اور اس کو کھاؤ یا کہے کہ مجھ سے کوئی ٹکڑا کاٹ کر کھالو'' تو اس نڈھال آدمی کے لیے اس کا ہاتھ یا کوئی عضو کاٹنا یا کھانا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس طرح کی پیشکش کرنا درست ہے، جس طرح کہ خود اس نڈھال آدمی کے لیے اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھانا جائز نہیں۔''

اس ضمن میں علامہ ابنِ عابدین فرماتے ہیں:

کیونکہ انسان کے گوشت کا استعمال غیر شرعی ہے شدید اضطراری اور مجبور کیے جانے کی حالت میں بھی۔[40]

علامہ ابنِ نجیم کے مطابق:

""کسی ایسے شخص کے لیے جو بھوک کی حالت میں مر رہا ہو غیر شرعی ہے کہ دوسرے مضطر من الجوع شخص کا گوشت کھائے نہ ہی کسی دوسرے شخص کے جسم کا کوئی حصہ کھانا جائز ہو گا۔""[41]

فقہاء کا یہ بھی موقف ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی کے قتل (ناحق) پر مجبور کیا جائے تو یہ غیر شرعی ہے حتیٰ کہ اگر اسے اپنی جان کا بھی خطرہ لاحق ہو۔[42]

ضرورت و اضطرار کی حالت میں بھی ہر حرام کام جائز نہیں ہوتا، ایک شخص کو مجبور کیا جائے کہ وہ کسی دوسرے کو قتل کر دے ورنہ خود اسے قتل کر دیا جائے گا، یہ حالت اضطرار کی ہے مگر اس حالت میں بھی جان بچانے کے لیے دوسرے کو قتل کرنا جائز نہیں' اسی طرح حالت اضطرار میں بدکاری کا ارتکاب کرنا بھی جائز نہیں ہو جاتا۔

المختصر یہ کہ جن فقہاء نے انسانی اعضاء سے پیوند کاری کو ممنوع قرار دیا ہے انہوں نے ایسی شرعی نصوص سے استدلال کیا ہے جن کی رُو سے کسی بھی انسان خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، زندہ ہو یا مردہ ان کے جسم کے کسی بھی حصے سے انتفاع جائز نہیں ہے۔ انسانی اعضاء کی قطع و برید اور چیر پھاڑ انسان کے احترام اور کرامت کی بناء پر ناجائز ہے، اعضاء کی چیر پھاڑ انسانیت کی توہین اور بے احترامی ہے، زندہ اور مردہ دونوں کا حکم اس بارے میں یکساں ہے۔

انسانی جسم کے اعضاء اور اس کے مختلف حصے انسان کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی امانت ہیں لہذا اس امانت کو فروخت کرنا، عطیہ کرنا یا کسی کو دے دینا ہر گز جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ خودکشی کو بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے، اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اعضاء کی پیوند کاری سراسر حرام ٹھہرتی ہے۔

ضرورت اور اضطرار میں فرق:

قرآن کریم نے جس حالت میں حرام و نجس کے استعمال کی اجازت دی ہے وہ ضرورت کا درجہ ہے، ضرورت ہی سے اضطرار نکلا ہے، یہ دونوں حالتیں خطرۂ جان کے لیے مخصوص ہیں، جن حالات میں جان کا خطرہ یقینی نہ ہو' قرآنی اصطلاح کے مطابق وہ ضرورت و اضطرار نہیں، اسے حاجت کہہ سکتے ہیں، جس میں مشکل اور دشواری تو شدید ہوتی ہے، مگر جان کا خطرہ یقینی نہیں ہوتا۔ اس لیے ایک حاجت مند انسان شرعی ضرورت کے تحت ملنے والی رعایتوں اور سہولتوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، اکثر لوگ ضرورت اور حاجت میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، اور ہر انسانی حاجت کو ""ضرورت اور اضطرار"" کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اس ضمن میں علامہ حموی نے شرح الاشباہ والنظائر میں انسانی حاجت کے پانچ درجات بیان کیے ہیں:

۱۔ **ضرورت:** اگر ممنوعہ چیز استعمال نہ کی جائے تو موت یا قریب المرگی کا اندیشہ ہو۔

۲۔ **حاجت:** اگر ممنوعہ چیز استعمال نہ کی جائے تو شدید مشقت اور تکلیف ہو لیکن یہ حالتِ اضطرار نہیں۔

۳۔ **منفعت:** کسی چیز کے استعمال سے بدن کو فائدہ ہو لیکن نہ کرنے سے تلف یا ہلاکت کا خطرہ نہ ہو۔

۴۔ **زینت:** جس سے بدن کو کوئی تقویت حاصل نہ ہو لیکن محض تفریح یا خواہشِ نفس کے تحت ایسا کیا جائے، اس کام کے لیے ناجائز چیز کے جائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵۔ **فضول:** وہ زینت جو مباح کے دائرہ سے باہر اور محض ہوس ہو، اس میں احکام کی رعایت نہیں ملتی بلکہ احادیث صحیحہ میں اس کی مخالفت کی گئی ہے۔ [43]

حالتِ اضطرار کے احکام میں ملنے والی رعایت خطرۂ جان کے ساتھ مخصوص ہے اور جس میں جان کی ہلاکت کا خطرہ یقینی نہ ہو تو وہ ضرورت اور اضطرار میں نہیں بلکہ حاجت میں داخل ہے جس کے تحت حرام اُمور و اشیاء حلال نہیں ہو سکتے۔ [44]

غیر اضطراری حالت میں انسانی عضو سے استفادہ کا حکم:

انسانی اعضاء کی منتقلی کے قائلینِ حلت نے اپنے دلائل میں واقعہ اہلِ عرینہ سے استدلال کیا تھا جنہیں باوجود غیر اضطراری حالت کے حرام اشیاء سے استفادہ کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن اس ضمن میں عدم قائلین کا کہنا ہے کہ اگر عضوِ انسانی کے استعمال کو غیر اضطراری حالت پر قیاس کیا جائے جس میں اگرچہ جان کے ضیاع کا خطرہ لاحق نہ ہو لیکن مرض کی وجہ سے تکلیف شدید نوعیت کی ہو تو اس استعمال کے حق میں نصوصِ دینیہ سے کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا لہذا اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کے مطابق غیر اضطرار میں کتنی بھی تکلیف ہو، حرام اشیاء کا استعمال بالکل جائز نہیں اور مباحات سے ہی علاج کی کوشش کی جائے گی جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشادِ مبارکہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ [45]

"بے شک اللہ نے تمہاری شفاء اس چیز میں نہیں رکھی جو حرام ہے۔"

قائلین حلت کا اس ضمن میں واقعہ عرینہ سے جو استدلال ہے اس میں متعدد احتمالات موجود ہیں مثلاً:

ہو سکتا ہے کہ وہ حالتِ اضطرار میں مبتلا ہوں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ بول کے استعمال کی اجازت خارجی استعمال کے لیے ہو پینے کا معاملہ نہ ہو۔

ان احتمالات کے ہوتے ہوئے ان روایات سے کوئی قطعی فیصلہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ [46]

شریعت کے بنیادی قواعد سے تصادم:

حدیثِ مبارکہ کی رُو سے انسان کے لیے جائز نہیں کہ خود پر یا دوسروں پر کوئی مصیبت مسلط کرے، ارشادِ رسول ﷺ ہے:

أنه لا يعدو ذلك و لا يسلط على نفس غيرها [47]

"خود پر اور دوسروں پر مصیبت مسلط کرنا حرام ہے۔"

اس ضمن میں معروف اصول ہے:

الضَّرَرُ لَا يُزَالُ بِمِثْلِهِ[48]

"تکلیف کو تکلیف سے دور نہیں کیا جا سکتا۔"

یعنی کسی کی تکلیف دور کرنے کے لیے خود کو تکلیف میں ڈالنا جائز نہیں۔اس اصول کی رُو سے کسی نفس کو جائز نہیں کہ کسی دوسرے کی تکلیف کو مٹانے کے لیے خود کو تکلیف میں ڈالے۔

فقہ اسلامی کا ایک اور اہم قانون ہے:

إذَا تَعَارَضَ دَلِيلَانِ أَحَدُهُمَا يَقْتَضِي التَّحْرِيمَ ، وَالْآخَرُ الْإِبَاحَةَ قُدِّمَ التَّحْرِيمُ[49]

" اگر حرام اور حلال متعارض ہوں تو حرام کو ترجیح دی جائے گی۔"

المختصر یہ کہ جن فقہاء نے انسانی اعضاء سے پیوند کاری کو ممنوع قرار دیا ہے اس گروہ نے ایسی شرعی نصوص سے استدلال کیا ہے جن کی رُو سے کسی بھی انسان خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، زندہ ہو یا مردہ، خواہ ان کی کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو ان کے بالوں، یا جسم کے کسی بھی حصے سے انتفاع جائز نہیں ہے۔بالفاظِ دیگر اس گروہ کے مطابق انسانی اعضاء کی منتقلی یا انہیں بطورِ عطیہ تفویض کرنے کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔

انسان تجارتی جنس نہیں:

ابن نجیم حنفی نے الاشباہ میں مال کی جو تعریف نقل کی ہے، وہ سب سے عمدہ سمجھی جاتی ہے؛ جیسا کہ بحر الرائق میں ہے:

المال اسم لغير الآدمي خلق لمصالح الآدمي وامكن احرازه والتصرف فيه على وجه الاختيار۔[50]

"مال انسان کے علاوہ ہر اس شئ کا نام ہے جو انسان کی مصالح کے لیے تخلیق ہوئی اور اسے تحویل میں لینا اور اختیار کے ساتھ اس میں تصرف کرنا ممکن ہو۔"

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنْهُعَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قَالَ اللَّهُ ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ۔[51]

"ابوہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہا تین آدمی ہیں جن کا میں قیامت کے دن دشمن ہوں گا ایک وہ شخص جس نے میرا واسطہ دے کر عہد کیا پھر بے وفائی کی دوسرے وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی تیسرے وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام پر لگایا اس سے کام پورا لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔"

جس طرح آزاد آدمی کی بیع جائز نہیں، اسی طرح اس کے اعضاء کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں اور یہ اصول ہے کہ جس چیز کی بیع جائز نہیں اس کا ہبہ وعطیہ بھی جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ جب ایک مرتبہ مشرکین نے دس ہزار درہم پیش کر کے ایک شخص کی لاش نبی اکرم ﷺ سے خریدنے کی کوشش کی مگر آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا:

عن ابن عباس ان المشرکین ارادوا ان یشتروا جسد رجل من المشرکین فابی النبیﷺ ان یبیعہ۔ قال ابن ھشام: بلغنا انھم بذلوا فیہ عشرۃ آلاف۔[52]

شریعتِ اسلامیہ کی رو سے انسان تجارتی مال نہیں اور اسے تجارت کی جنس نہیں بنایا جا سکتا، اگر انسان کے کسی ایک عضو کو فروخت کر دینا جائز قرار دیا جائے تو پھر پورے انسان کو فروخت کرنے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اگر یہ بند دروازہ ایک مرتبہ کھول دیا جائے تو پھر وہ وقت دور نہیں جب انسانی خرید وفروخت کی منڈیاں قائم ہو جائیں اور انسانیت کے سوداگر انسانوں کی سوداگری کرنے لگیں۔[53]

انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں:

انسان اور مال کے درمیان موجود شرعی تعلق کا نام ملکیت ہے، ملکیت سے انسان کو مالکانہ تصرف کا حق ملتا ہے، لیکن اعضاء چونکہ مال نہیں اس لیے انسان اس میں مالکانہ تصرف بھی نہیں کر سکتا، ارشادِ رسول ﷺ ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ عَنْ النَّبِيِّﷺ قَالَ مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهِ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ تَحَسَّى سُمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسُمُّهُ فِي يَدِهِ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجَأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا[54]

"حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص پہاڑ سے گر کر اپنے آپ کو قتل کر ڈالے وہ جہنم کی آگ میں ہوگا اور اس میں ہمیشہ گرایا جاتا رہے گا اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو مار ڈالا تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم کی آگ میں اس کو پیتا رہے گا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا اور جس نے اپنے کو لوہے سے قتل کر ڈالا تو اس کا لوہا اس کے ہاتھ میں ہوگا اس سے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ میں اپنے آپ کو مارتا رہے گا اور ہمیشہ اس کی یہی حالت رہے گی۔"

اس ضمن میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ویؤخذ منه ان جنایة الإنسان علی نفسه کجنایته علی غیره في الإثم لأن نفسه لیست ملکا له مطلقا بل ھي لله تعالی فلا یتصرف فیھا الا بما اذن له فیه[55]

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنا اور اپنے آپ کو ہلاک کرنا ایسا گناہ ہے جیسا کہ دوسرے کو ہلاک کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ انسان کا جسم وجان اس کی ملک نہیں ہے کہ جب چاہے اسے ہلاک کرے بلکہ انسان کے جسم وجان خالص

اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں۔انسان کو بطریق اباحت صرف اس سے اپنے لیے کام لینے اور اس سے اپنے لیے نفع حاصل کرنے کی اجازت ہے اور انتفاع بھی صرف اس حد تک جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہو۔

امام شاطبیؒ الموافقات میں لکھتے ہیں:

اسلامی قانون کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ وہ اپنے نفس پر کسی کو مسلط کردے' تاکہ وہ اسے قتل کردے یا اس کے اعضاء کو کاٹ دے۔[56]

انسانی جسم کے اعضاء اور اس کے مختلف حصے انسان کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی امانت ہیں لہذا اس امانت کو فروخت کرنا، عطیہ کرنا یا کسی کو دے دینا ہرگز جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ خودکشی کو بھی حرام ٹھہرایا گیا ہے، اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اعضاء کی پیوندکاری سراسر حرام ٹھہرتی ہے۔

اعضاء امانت خداوندی:

انسانی اعضاء نعمت بھی ہیں اور امانت بھی۔ نعمت کا تقاضہ ہے کہ انسان میں جذبہ شکر پیدا ہو اور امانت کا تقاضہ ہے کہ وہ امانت رکھنے والے کی مرضی کے مطابق اس میں تصرف کریں اور جب انسان ایسا کریں گے تو تب ہی امین کہلائیں گے۔

قرآن کریم میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[57]

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں ہر قسم کی امانت مراد ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوہریرہؓ کے مطابق آنحضرت ﷺ نے اپنی انگلیوں کو کان اور آنکھ پر رکھا، مقصد یہ تھا آنکھ کان وغیرہ سارے اعضاء اللہ کی امانت ہیں۔[58]

بہرحال امانت پر حق ملکیت قائم نہیں ہو سکتا، ہبہ، بیع اور وصیت وغیرہ مالکانہ تصرفات ہیں، اعضاء میں انسان کی ملکیت معدوم ہے، یہ ناممکن ہے کہ انسان کسی دوسرے کو اس چیز کا مالک بنادے جس کا وہ خود مالک نہیں، **تملیک مالیس بمملوک محال۔**[59]

حق استعمال اور حق ملکیت میں فرق:

جو چیز اپنی ملکیت میں ہو انسان اسے جس طرح چاہے استعمال کرسکتا ہے خواہ خود فائدہ اُٹھائے یا کسی اور کو عارضی یا مستقل استعمال کے لیے دیدے۔ لیکن جو چیز ملکیت میں نہ ہو بلکہ مالک نے صرف استعمال کی اجازت دی ہو، انسان وہ چیز کسی دوسرے کو منتقل نہیں کرسکتا اور نہ ہی دوسروں کو اپنے ساتھ فائدہ اُٹھانے میں شریک کرسکتا ہے، فقہ کی زبان میں اسے اجازت، سہولت اور اباحت کہتے ہیں۔

الاباحة هي الترخيص والاذن[60]

اعضاء انسان کے پاس صرف ذاتی استعمال کے لیے ہیں اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان پر اپنے مالکانہ حق جتلاتے ہوئے کسی کو اجرت، قیمت یا مفت میں یوں ہی کسی کو مالک بنادے۔امام شاطبیؒ موافقات میں لکھتے ہیں:

عقول انسانی اور اجسام انسانی اللہ تعالیٰ کا حق اور اس کی ملکیت ہیں' یہ خالص بندوں کی ملکیت نہیں' لہٰذا کسی انسان کو اس بات کا اختیار نہیں کہ حقوق اللہ کو ساقط کردے۔[61]

ان دلائل سے عدم قائلین کا یہ استدلال ہے کہ انسان کی مثال اس اجازت یافتہ تاجر غلام (مضارب) کی ہے جسے کاروبار کا آزادانہ اختیار تو ہوتا ہے مگر وہ یہ اختیار نہیں رکھتا کہ اپنے آپ کو فروخت کردے یا کسی کو مالِ سرمایہ مفت بخش دے یا اپنے کسی عضو کو ضائع کردے۔اسی طرح آزاد انسان اللہ کے غلام اور بندے ہیں' انہیں اپنے جسم میں جائز تصرفات کا حق تو ہے مگر وہ اپنے جسم اور جان کے مالک نہیں۔ جیسے بندوں کے اموال اور حقوق ان کی اجازت کے بغیر فروخت کرنا یا ایک کی امانت دوسرے کے سپرد کرنا' ظلم ہے اسی طرح خدا کا حق کسی اور کو دینا اس سے بھی بڑا ظلم ہے۔

عدم قائلین کے عقلی دلائل:

انسانی اعضاء کی پیوندکاری یا انہیں عطیہ کیے جانے کے عدم جواز کے قائل فقہاء وعلماء نے اپنے موقف کی تائید کے لیے نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل کا بھی تذکرہ کیا ہے جنہیں تیسیر فی التفہیم کے نقطہ نظر سے علیحدہ رقم کیا گیا ہے۔اس ضمن میں عدم قائلین کے پیش کردہ عقلی دلائل درج ذیل ہیں:

اعضاء کی پیوندکاری ایک ناقابلِ اعتماد طریقۂ علاج:

اگرچہ مغربی ممالک میں تبادلۂ اعضاء کے ذریعے علاج کے تجربات سالہاسال سے ہو رہے ہیں لیکن پلاسٹک سرجری کے مقابلہ میں وہ بہت کم کامیاب ہوتے ہیں مثلاً امریکی رسالہ "سیر بین" میں ایک رپورٹ شائع کی گئی جس کی رُو سے آنکھوں کے علاج کے لیے انسانی آنکھ کے پردے سے کی جانے والی پیوندکاری میں ایک خرابی یہ تھی کہ بعض ناقابلِ فہم اسباب کی بنا پر اس طرح سے لگائے جانے والے بہت سے پردے دھندلا جاتے اور مریض دوبارہ بصارت سے محروم ہو جاتا تھا۔[62]

طویل اور تکلیف دہ مراحلِ علاج:

اعضاء کی پیوندکاری کا عمل طویل اور تکلیف دہ مراحل سے ہو کر گزرتا ہے کیونکہ اس طرح سرجنوں کو کری کی زندہ ہڈیوں اور نسیجیوں پر اعتماد کرنا پڑتا تھا اس طریقہ کی وجہ سے مریض پر بالعموم دو آپریشن کرنے پڑتے ہیں، پہلے آپریشن کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ دوسرے شخص کے جسم سے حاصل شدہ پیوند لگانے کی کوشش کی جاتی ہے تو مریض کا جسم اسے قبول نہیں کرتا تاہم مریض کے اپنے جسم سے پیوند لے کر دوسرے حصے میں لگانے کے طریقوں کے بہت بہتر ہو جانے کے باوجود بھی بعض مسائل حل طلب رہ گئے تھے۔ان میں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ جسم کے سیال مہینوں بعد نئے پیوند کو قبول کرتے ہیں جبکہ اگر

یہی اعضاء سلیکون کے بنے ہوئے ہوں تو اعضاء کے مکمل ہو جانے کے بعد مجروح یا مریض کے اعضاء کو زندگی بھر کے لیے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ [63]

غرباء کی جان و اعضاء کا تحفظ:

اعضاء کی پیوند کاری سے بظاہر مضرتوں کی روک تھام کا انتظام کیا گیا ہے لیکن اس کا حتمیٰ نتیجہ پورے انسانی معاشرے کی تباہی ہے کیونکہ ضرورت کی خاطر اعضاء ان لوگوں سے لیے جاتے ہیں جو رضاکارانہ طور پر انہیں تفویض کر دیتے ہیں یا سزا کے طور پر قتل ہونے کی وجہ سے؛ اس ضمن میں بظاہر جو بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ محض وقتی ہیں اور کوئی بھی صاحبِ بصیرت ان وقتی پابندیوں سے مطمئن نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا لازمی فائدہ صرف امراء کو ہو گا اور غریب لوگ اپنے بچوں کی خاطر یا غربت سے مجبور ہو کر اپنے اعضاء فروخت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور خالقِ کائنات نے اعضاء و اجزاء کے بارے امراء و غرباء میں جو مساوات رکھی ہے، کہ فاقہ زدہ کو بھی وہی زبان، کان، ناک اور اندرونی اعضاء نصیب ہوتے ہیں جو بڑے سے بڑے سرمایہ دار کو، تو یہ برابری اور مساوات ختم ہو کر رہ جائے گی اور دولت، آرام و آسائشوں کی طرح غریبوں کے اعضاء بھی امیروں کے حصے میں آئیں گے۔ [64]

اعضاء کے حصول کے لیے غارت گری کا اندیشہ:

اگر شرعی طور پر اعضاء کی خرید و فروخت کی اجازت ہوتی تو یہ معاملہ صرف رضاکارانہ طور پر اعضاء کی تفویض کرنے پر ہی موقوف نہ رہتا بلکہ بہت سے مردے خصوصاً لاوارث مردے بہت سے اعضاء سے محروم ہو کر اس دنیا سے جایا کرتے اور اس بات کا بھی امکان ہوتا کہ مستقبل کے حکماء انسانی اعضاء کو دیر تک کارآمد اور باقی رکھنے کے لیے کوئی انتظام کر لیں، مذکورہ صورت میں کسی انسانی میت کی خیر نہ ہو گی اور غسل، کفن، نمازِ جنازہ، تدفین وغیرہ کی انتہائی مکرم رسوم قصہ پارینہ بن کر رہ جائیں گی یعنی:

نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔

خدانخواستہ یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو صرف اپنی موت مرنے والوں تک محدود نہیں رہے گا بلکہ ان کی فراہمی کے لیے بہت سے انسانوں کے قتل کا بازار گرم ہو جائے گا جو پورے انسانی معاشرے کی تباہی کا اعلان ہے۔ [65]

موت سے فرار ممکن نہیں:

نابینا کو بینا کرنے اور بیمار کو تندرست کرنے کے لیے ہر زمانے میں علاج کے مختلف طریقے جاری رہے جو اکثر بیماریوں میں کامیاب ثابت ہوتے ہیں لیکن بہت سے بیمار افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا علاج ممکن نہیں ہوتا، اگر حلال و حرام اور آئندہ کے خطرات سے قطع نظر انسانی اعضاء سے پیوند کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے اور تمام طبقات مل کر اسے رواج دینے کی کوشش کریں تو پھر بھی وثوق سے ہر گز نہیں کہا جا سکے گا کہ اب کوئی بیمار لاعلاج نہیں رہے گا کیونکہ موت سے فرار ممکن نہیں۔ [66]

قائلین وعدم قائلین کے دلائل کا تقابلی جائزہ:

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے ضمن میں قائلین اور عدم قائلین کے دلائل کا مندرجہ ذیل جدول کی شکل میں تقابلی تجزیاتی مطالعہ کیا جاسکتا ہے:

عدم قائلین کے دلائل	قائلین کے دلائل
اسلام میں تمام انسانوں کو خواہ زندہ ہو یا مردہ، مسلم ہو یا غیر مسلم تکریم اور عزت سے نوازا گیا ہے اور اس شرف کا تقاضا ہے کہ کسی انسان کی لاش کو بگاڑ کر اس کا مثلہ نہ کیا جائے۔	شدید مجبوری کی حالت میں انسانی لاش کی قطع وبرید کی اجازت ہے مثلاً اگر کوئی عورت مر جائے تو اس کے رحم میں زندہ بچے کو نکالنے کے لیے، یا مالِ مسروقہ برآمد کرنے کے لیے۔
بال جو کہ جسم کا بیرونی حصہ ہیں، جن کے کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی اور نہ ہی شدید نقصان کا اندیشہ ہے کیونکہ یہ دوبارہ بھی اُگ سکتے ہیں لیکن پھر بھی تکریم انسانی کی وجہ سے ان سے انتفاع کو حرام ٹھہرایا گیا ہے تو پھر انسان کے اندرونی اعضاء کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟	اضطراری حالت میں انتقالِ خون کی اجازت ہے جو کہ جسم کا حصہ ہے اگر اسی پر قیاس کیا جائے تو انتقالِ اعضاء کی بھی اجازت ہوگی۔
انتہائی شدید حالتِ اضطرار میں بھی انسانی گوشت سے استفادہ نہیں لہذا اعضوِ انسانی کو بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔	امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر ایک انسان بھوک سے مر رہا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ دوسرے انسان کا گوشت کھالے۔
عضو انسانی کا استعمال شریعت اسلامیہ کے بنیادی قواعد کے خلاف ہے۔	شریعت کے بعض قواعد کی رُو سے انتقالِ اعضاء کی اجازت ہے، مثلاً کم گناہ زیادہ گناہ
شریعت کی رُو سے انسان تجارتی جنس نہیں لہذا اس کی یا اس کے کسی بھی عضو کی تجارت یا خرید وفروخت جائز نہیں۔	انسان کے اعضاء کی منتقلی کی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ خود، اس کے ورثاء یا امیر المسلمین اس کی اجازت دے۔
اعضاء انسان کے پاس خدا کی طرف سے امانت ہیں جنہیں بیچنا یا تحفہ میں دے دینا قطعاً ممنوع ہے۔	بعض صورتوں میں انسان کو اپنے اعضاء پر اختیار حاصل ہو جاتا ہے مثلاً کسی انسان کو بچانے کے لیے پانی میں کود جانا۔
مصالح خمسہ کے رکن تحفظِ جان کا تقاضا ہے کہ ایسے کسی طریقہ علاج کو رواج نہ دیا جائے جس کی وجہ سے کسی انسان کو اس کے عضو سے محروم کر کے زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا کر دیا جائے اور بعد ازاں انسانی اعضاء کے حصول کے لیے قتل اور	تحفظِ جان مصالح خمسہ کا اہم رکن ہے جس کی رُو سے کسی انسان کی جان بچانے کے لیے اعضاء کی منتقلی اور پیوند کاری عین جائز عمل ہے۔

غارت گری کی نوبت آجائے۔	
ہر ضرورت حالتِ اضطرار نہیں ہوتی بلکہ حاجت کے پانچ درجات ہیں جن میں حرام اشیاء کے استعمال کی حلت صرف تبھی ممکن ہے جب ممنوعہ چیز کے استعمال نہ کیے جانے پر ہلاکت کا خدشہ ہو۔	شریعتِ اسلامیہ میں حالتِ اضطرار میں حرام اُمور کی حلت کا جواز ہے۔
اسلام میں مثلہ کی اجازت نہیں لہذا کسی انسانی لاش کی اعضاء کے حصول کے لیے قطع وبرید نہیں کی جاسکتی۔	عصرِ حاضر میں اعضاء کی پیوند کاری کے طریقوں کو عملِ مثلہ پر ہر گز قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ جدید طبّی عمل انتہائی باعزت اور انسانیت کے شایانِ شان طریقہ سے انجام دیا جاتا ہے اور اسے کسی صورت بھی حرمتِ انسانی یا مثلہ سے متصادم خیال نہیں کیا جاسکتا۔
اگر اعضاء کی پیوند کاری کی شرعی طور پر اجازت دے دی جائے تو کسی انسانی لاش کی خیر نہیں کیونکہ انہیں دفنانے سے قبل تمام اعضاء علیحدہ کیے جانے کی روایت فروغ پاجائے گی۔	شریعت کے نظریہ مصلحت کا تقاضا ہے کہ جن اعضاء نے مٹی میں مل جانا ہے انہیں کسی ایسے انسان کو دے دیا جائے جو ان کا ضرورت مند ہو۔

اگر غیر جانبدارانہ طور پر تجزیہ کیا جائے تو بہر طور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انسانی اعضاء کی منتقلی کے متعلق عدم قائلین کے دلائل قائلین کی نسبت مندرجہ ذیل پہلوؤں کے اعتبار سے مضبوط بنیادوں پر استوار ہیں مثلاً:

آیاتِ قرانیہ سے دلائل اور ان سے استنباط

متعلقہ احادیث کے حوالہ جات

فقہ اسلامی کی مماثل امثال سے قیاس اور

عقلی دلائل سے استحسان کا ثبوت

جبکہ دوسری جانب قائلین کے دلائل کا زیادہ مدار حالتِ اضطرار میں شرعی احکامات میں نرمی سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے جس کا عدم قائلین کی جانب سے انتہائی مدلل انداز میں انکار کیا گیا ہے لیکن قائلین کی جانب سے پیش کردہ شرائط اس ضمن میں قابلِ غور ہیں:

۱۔ مریض کے علاج کے لیے عضو کی پیوند کاری ہی طبّی نقطہ نظر سے ممکن علاج رہ گیا ہو۔

۲۔ کسی مردہ انسان کا عضو دوسرے ضرورت مند انسان کے تحفظ کے لیے حاصل کیا جائے، بشرطیکہ جس کا عضو لیا جارہا ہے وہ مکلف ہو اور اپنی زندگی میں اس کی اجازت دے چکا ہو۔

۳۔ ایسا عضو جو کسی مرض کی وجہ سے جسم سے نکال دیا گیا ہو اس کے کسی حصے سے استفادہ دوسرے شخص کے لیے جائز ہے مثلاً اگر کسی مرض کی وجہ سے آنکھ نکال دی گئی ہو تو اس آنکھ کی پتلی (Cornea) سے استفادہ جائز ہے۔

۴۔ عضو کی منتقلی کی اجازت تب دی جائے گی جب میت نے اپنی موت سے پہلے یا اس کی موت کے بعد اس کے ورثہ نے اور اگر میت کی شناخت نہ ہو یا لاوارث ہو تو مسلمانوں کے سربراہ نے اس کی اجازت دی ہو۔

۵۔ جن صورتوں میں اعضاء کی منتقلی کے جواز پر اتفاق ہوا ہے وہ اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ ان اعضاء کا حصول خرید وفروخت کے بغیر ہوا ہو کیونکہ کسی بھی حال میں اعضاء انسانی کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

حاصلِ بحث:

عصرِ حاضر میں سائنس اور طب میں حیرت انگیز ترقی کی وجہ سے ان امراض کے علاج بھی دریافت کر لیے گئے ہیں چند دھائیوں قبل جنہیں لا علاج گردانا جاتا تھا۔ انہی لا علاج امراض میں سے ایک مرض عضو ناکارہ کی وجہ سے انسانی اموات کا سلسلہ تھا جسے عصرِ حاضر میں انسانی اعضاء کی منتقلی کی وجہ سے قابلِ علاج بنادیا گیا ہے، لیکن بحیثیت مسلمان نت نئے طریقہ ہائے علاج، ادویات، ماکولات، مشروبات، طرزِ معاملات وغیرہ سے استفادہ سے قبل ہمارے لیے ان اشیاء واُمور کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا ان میں کسی طرح سے حرمت و مضرت کا پہلو تو نہیں جو شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہو کیونکہ شریعت میں حرمت دو طرح سے مؤثر ہوتی ہے:

۱۔ اس کے ذریعے انسان کو اشیاء واُمور کے ضرر رساں پہلوؤں سے محفوظ رکھنا مقصود ہوتا ہے؛

۲۔ اسلام میں دین ودنیاوی معاملات ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ اُخروی حساب کے لحاظ سے باہم پیوستہ ہیں یہی وجہ ہے کہ انسان کو بھوک، مرض، خوف وغیرہ سے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے کہ کون ان حالات میں شرعی اُصولوں پر کاربند رہتا ہے اور کون بھٹک جاتا ہے۔

دورِ جدید میں انسانی اعضاء کی منتقلی اور انہیں عطیہ کیے جانے کا عمل فقہ اسلامی میں ایک اہم اور جدید مسئلہ ہے جس کی بابت عصری فقہاء میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک اس عمل کی حلت کا قائل ہے جبکہ دوسرا گروہ اس کی حرمت اور غیر شرعی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ہر گروہ کے فقہاء نے اپنے موقف کی تائید کے لیے شرعی نصوص، فقہ اسلامی اور عقل کی روشنی میں دلائل دیئے ہیں لیکن جہاں ان کے مواقف و دلائل میں تضاد ہے وہیں فقہ اسلامی کا یہ درخشندہ پہلو بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلم فقہاء کے مابین اختلافِ رائے کے بارے میں کی جانے والی منفی منظر کشی دراصل تعصب اور فقہ اسلامی کی اصل روح کی بابت لاعلمی کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ موجودات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو ہر لحاظ سے نفع بخش ہو، اور نہ ہی کوئی چیز ایسی ہے جو تمام وجوہ سے ضرر رساں ہو، ایک چیز اگر ایک شخص کے لیے مضر ہے تو دوسرے کے لیے مفید ہے، بلکہ ایک پہلو سے ایک ہی چیز میں اگر ایک شخص کے لیے نفع رکھا گیا ہے تو اسی چیز میں دوسرے پہلو سے اس کے لیے مضرت ہے۔ اس لیے کسی شئے یا

قانون کے مفید ہونے کا مطلب ہو گا کہ اس میں منافع کا عنصر نقصانات کے پہلو پر حاوی ہے، جبکہ دوسری صورت میں مضرت کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیوی اشیاء عدم اور وجود دونوں سے مرکب ہیں، اس لیے نفع و نقصان دونوں رکھتی ہے۔

یہ فقہاء کے مابین اختلاف ہی ہے جس کی وجہ سے عصرِ حاضر میں انسانی اعضاء کی منتقلی اور عطیہ کرنے کے عدم جواز کے ساتھ ساتھ جواز بھی میسر آتا ہے کیونکہ بہت سی صورتوں میں اگرچہ ہر موقف کے فریق نے ایک ہی نص سے استدلال کیا ہے لیکن اسالیبِ اجتہاد کے مختلف ہو جانے کی وجہ سے اجتہاد کے نتائج بھی مختلف ہیں لیکن اس میں سہولت کا پہلو پنہاں ہے یعنی شدید نوعیت کے مریضوں کے لیے فریقین کو چند بنیادی شرائط کی بجاآوری کے ساتھ اورانتقالِ اعضاء اور انہیں بطورِ عطیہ تفویض کرنے کی اجازت بھی میسر آتی ہے۔

حوالہ جات:

---

1 Harvard Apparatus Regenerative Technology, "History of Human Organ Transplant",
http://www.harvardapparatusregen.com/index.php/about/history-of-human-transplants/

2 C. J. E. Watson and J. H. Dark2, "Organ Transplantation: Historical Perspective and Current Practice", British Journal of Anesthesia, Vol. 108, Issue 1, Pg. 29-42

3 القاسمی، بدرالحسن، مولانا، عصرِ حاضر کے فقہی مسائل، (نئی دہلی، ایفا پبلیکیشنز، جامعہ نگر، ۲۰۱۰)، ۸۶

4 نعیم حامد، ڈاکٹر، اعضاء کی پیوند کاری، مشمولہ جدید فقہی مباحث، (نئی دہلی، ایفا پبلیکیشنز)۱:۱۷۵

سعید اختر، ڈاکٹر، انسانی اعضاء کی پیوند کاری طبّی نقطہ نظر، سالانہ اسلامی نظریاتی کونسل رپورٹ ۲۰۰۱-۲۰۰۰ء، ۲۳۳

5 القاسمی، عصرِ حاضر کے فقہی مسائل، ص ۸۵

6 ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی، (بیروت، دار احیار التراث العربي، ۱۴۰۵ھ)، ۲:۴۰۷

7 ابوزکریا محیي الدین یحیی بن شرف النووي، المجموع شرح المهذب، (بیروت، دار الفکر، ۲۰۱۰ء)، ۵:۳۰۰-۳۰۱

8 الرعینی، شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن الطرابلسي المغربي، مواهب الجلیل لشرح مختصر الخلیل، (سعودی عرب، دار عالم الکتب، ۱۴۳۲ھ)، ۲:۲۵۳

9 احمد رضا، جدالممتار علی ردالمختار، (کراچی، مکتبہ المدینہ، ۱۴۲۶ھ)، ۲:۱۳۸

10 نسائی، سنن نسائی، کتاب الطھارۃ، باب بول مایو کل لحمہ، حدیث: ۳۰۴

11 ابوداؤد، سنن ابی داود، کتاب الخاتم، باب ماجاء في ربط الأسنان بالذهب، حدیث: ۳۶۹۶

12 محمد شفیع، مولانا مفتی، جواہر الفقہ، (کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۲۰۱۰ء)، ۸:۲۴

13 تھانوی، مولانا اشرف علی، امداد الفتاویٰ، (کراچی، مکتبہ دار العلوم، س۔ن)، ۳:۲۶۲

14 القاسمی، عصرِ حاضر کے فقہی مسائل، ۹۰-۹۱

15 ابن قدامہ، المغنی، ۹:۳۳۵

16 البقرہ:۱۷۳

17 النحل:۱۶۰

18 ابنِ نجیم، زین العابدین بن ابراھیم، الَاشباہ والنظائر، (بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیۃ)، ۱:۸۵

19 الثمرقندی، علاؤالدین محمد بن احمد، تھافۃ الفقھاء، (بیروت، دارالکتب العلمیۃ، س۔ن،)۴:۲۶۱

20 ابنِ نجیم، الَاشباہ والنظائر، ۱:۸۹

21. Shaykh (Mufti) Muhammad ibn Adam al-Kawthari, “Islam & Organ Donation”, http://www.central-mosque.com/index.php/General-Fiqh/islam-organ-donation.html

22. Ibid

23 عصرِ حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ۱۴۳۳ھ، ص۱۵۷-۱۵۸، فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے ۱۹۷۷، ۲۰۰۶ء، (نئی دہلی، ایفا پبلی کیشنز، س۔ن)، ص۲۰۰-۲۰۱

24 انٹرنیشنل فقہ اکیڈمی جدہ کے شرعی فیصلے، (دہلی، ایفا پبلیشرز، ۲۰۱۲ء)، ۱۳۰

25 التین:۴

26 البقرہ:۲۹

27 الاسراء:۷۰

28 محمد شفیع، جواہر الفقہ، ۱۲:۷-۱۴

29 ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب في الحفار یجد العظم ھل یتنکب ذلک المکان، حدیث:۲۷۹۲

30 القاری، علی بن سلطان محمد (المعروف مُلا علی قاری)، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، (بیروت، دارالفکر، س۔ن)، ۴:۱۹۵

31 الطحاوي، أحمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ الأزدي، بیان مشکل الآثار، (بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۵ء)، ۳:۱۸۲

32 الشیباني، محمد بن الحسن، السیر الکبیر، (بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء)، ۱:۱۲۸

33 ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب في النھي عن المثلۃ، حدیث:۲۲۹۳

34 النساء:۱۱۹

35 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب الوصل فی الشعر، حدیث:۵۴۷۷

36 النووي، أبوزکریا یحیی بن شرف بن مري، المنھاج، (شرح صحیح مسلم بن الحجاج)، (بیروت، دار احیاء التراث العربي، ۱۳۹۲ھ)، ۱۴:۱۰۳

37 المرغیاني، أبي الحسن علي بن أبي بکر بن عبدالجلیل الرشداني، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدي، المکتبۃ الِاسلامیۃ، س۔ن، ۴:۳۹

38 المائدہ:۳

39 الشیخ نظام، العلامۃ الھمام، مولانا، الفتاویٰ الھندیۃ المعروفۃ بالفتاویٰ العالمکیریۃ، (بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۲۱ھ)، ۳:۴۰۴

40 احمد رضا، جد الممتار علی ردالمختار، ۱۴۲۶ھ، ۵:۲۱۵

41 ابنِ نجیم،الٔاشباہ والنظائر،۱۲۴:۱

42 کاساني،علاءالدین، أبو بکر بن مسعود بن أحمد بدائع الصنائع في ترتیب الشرائع،(لاہور، موقع اِلاسلام)،۱۷۷:۷

43 الحموي، أحمد بن محمد الحنفي، غمز عیون البصائر في شرح الٔاشباہ والنظائر،(لاہور، موقع اِلاسلام)،۱۰۸

44 محمد شفیع،جواہر الفقہ،۱۸-۱۶:۷

45 بخاری،الجامع الصحیح، کتاب الاشربۃ، باب شراب الحلواء والعسل

46 محمد شفیع،جواہر الفقہ،۴۱:۷

47 الحاکم، محمد بن عبداللہ أبو عبداللہ النیسابوري،المستدرک علی الصحیحین،(بیروت،دارالکتب العلمیۃ،۱۹۹۰)ء، کتاب معرفۃ الصحابۃؓ، کتاب الفتن والملاحم:۸۶۲۰

48 ابن نجیم،الاشباہ والنظائر،۸۷:۱

49 ابن نجیم،الاشباہ والنظائر،۱۰۹:۱

50 ابن نجیم،البحر الرائق شرح کنزالد قائق،(بیروت،دارالکتب العلمیۃ،۱۹۹۷ء)،۲۸:۵

51 بخاری،الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب اثم من باع حرا، حدیث:۲۰۷۵

52 العثماني، ظفر أحمد،التھانوي،إعلاء السنن،(کراچی،إدارۃ القرآن والعلوم الإسلامیۃ،۱۴۱۸ھ)،۱۱۳:۱۴

53 محمد شفیع، مفتی،،جواہر الفقہ،۳۵:۷

54 بخاری،الجامع الصحیح، کتاب الطب، باب شرب السم والدواء بہ وبمایخاف منہ والخبیث، حدیث:۵۳۳۳

55 العسقلاني،احمد بن علي بن حجر ابوالفضل، فتح الباري شرح صحیح البخاري،(بیروت،دارالمعرفۃ،۱۳۷۹ھ)،۵۳۹:۱۱

56 الشاطبّی،ابراھیم بن موسی بن محمد اللخمي الغرناطي الشھیر،الموافقات،(قاہرہ،دارابن عفان،۱۹۹۷ء)،۲۷۷:۲

57 النساء،:۵۸

58 علاءالدین البخاري،عبدالعزیز بن احمد بن محمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الِاسلام البزدوي،(بیروت،دارالکتب العلمیۃ،۱۹۹۷ء)،۲۰۲:۱

59 مرتضیٰ انصاری، شیخ، ترجمہ وشرح مکاسب،(بیروت،دارالفکر،۱۳۸۹ھ،)۸۴

60 مجلۃالاحکام العدلیہ،عبدالقدوس ہاشمی(مترجم)،(لاہور، علماء اکیڈمی شعبۂ اوقاف مطبوعاتِ محکمہ اوقاف پنجاب،۱۹۸۱ء)،دفعہ نمبر۸۳۶

61 الشاطبّی،الموافقات،۵۷۷:۳

62 امریکی شعبہ اطلاعات ’’سیر بین‘‘ ستمبر ۱۹۶۷ء، ’’مصنوعی فاضل اعضاء‘‘

63 ایضاً

64 محمد شفیع،جواہر الفقہ،۳۸-۳۷:۷

65 ایضاً،۳۹:۷

66 ایضاً